بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

اس اشاعت کے ساتھ "ترجمان القرآن" کی زندگی کا پانچواں سال شروع ہو رہا ہے۔ سفر کی اس نئی منزل میں قدم رکھنے سے پہلے مجھ پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے۔ پچھلے دور اس طرح گزرتے رہے ہیں کہ ہر سال کی ابتدا میں خوف ہوتا تھا کہ شاید اب یہ پرچہ پورا سال نہ پکڑ سکے گا، اور ہر سال کے خاتمہ پر حیرت ہوتی تھی کہ آخر یہ زندہ کیسے رہ گیا۔ نشیب و فراز کے ان مسلسل تجربات اور نصرت الٰہی کے پیہم مظاہرات نے اب دل میں اس امر کا اذعان سا پیدا کر دیا ہے کہ یہ خدمت بارگاہ الٰہی میں کسی حد تک مقبول ضرور ہے اور اس مقبولیت کی بنا پر اس کے ساتھ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کا سا معاملہ ہو رہا ہے گو ظاہر حالات کے لحاظ سے خارج میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اب بھی زمانہ کا وہی رنگ ہے جسے دیکھ دیکھ کر دل ٹوٹا جاتا تھا، ہمت بیٹھی جاتی تھی، حوصلے پست ہوئے جاتے تھے لیکن اب باطن کا وہ حال نہیں جو پہلے تھا۔ اب دل میں ایک اطمینان ہے۔ روح میں ایک سکون ہے۔ حوصلوں میں ایک نئی قوت پرواز اور عزائم میں ایک خاص طاقت ثبات محسوس ہوتی ہے۔ پہلے صبر اور توکل کے الفاظ ذہن میں تھے۔ روح میں ان کے معنی کا تحقق اب شروع ہوا ہے۔ پہلے صرف اعتقاداً یہ سمجھتے تھے کہ خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ چار سال کی مشق و تمرین کے بعد اب کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے کہ خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی کیا ہیں، اور اس پر بھروسہ کرنے والوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ یہی وہ نعمت ہے، برسوں سے جس کی طلب تھی۔ اور اب کہ اس بخشش کا آغاز ہوا ہے، صمیم قلب کے ساتھ بخشنے والے کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اور ادائے شکر کے ساتھ

یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ اس نعمت کا اتمام فرمایا جائے، کیونکہ اب جو مرحلہ درپیش ہے اس میں سب سے بڑھ کر اسی چیز کی ضرورت ہے۔ میں ایک مجاہد کے سے ایمان کا طالب ہوں۔ ایسا دل مانگتا ہوں جو سمندر کی طوفانی موجوں کے مقابلہ میں ٹوٹی ہوئی کشتی سے جا بھڑنے پر بے جھجک آمادہ ہو جائے۔ ایسی روح مانگتا ہوں جو شکست کھانے اور سپر رکھ دینے کا تصور ہی نہ کر سکتی ہو۔ ایسی عزیمت مانگتا ہوں جو آدمی سہاروں سے قطعاً مستغنی ہو اور تمام سہاروں کے چھوٹ جانے پر بھی نہ ٹوٹ سکے۔ ایسا ارادہ مانگتا ہوں جسے کوئی طاقت اپنے مقصد کے راستہ سے نہ ہٹا سکے۔

اس سے پہلے ہم کسی موقع پر اشارۃً کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان میں تیزی کے ساتھ ایک نیا انقلاب آ رہا ہے جو لحاظ اپنے اثرات اور اپنے نتائج کے ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے بھی زیادہ شدید ہو گا۔ پھر اس سے بہت زیادہ بڑے پیمانہ پر ایک دوسرے انقلاب کا سامان تمام دنیا میں ہو رہا ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ وسیع تر انقلاب ہندوستان پر اثر انداز ہو کر یہاں کے متوقع انقلاب کا رخ اچانک پھیر دے، اور اس کو ہماری توقعات سے بہت زیادہ پرخطر بنا کر چھوڑ دے۔

جو لوگ خس و خاشاک کی طرح ہر رو پر بہنے کے لیے تیار ہیں اور جن کو خدا نے اتنی سمجھ بوجھ ہی نہیں دی ہے کہ اپنے لیے زندگی کا کوئی راستہ معین کر سکیں، ان کا ذکر تو قطعاً فضول ہے انھیں غفلت میں پڑا رہنے دیجیے زمانہ کا سیلاب جس رخ پر بھی بہے گا وہ آپ سے آپ اسی رخ پر بہ جائیں گے اسی طرح اُن لوگوں سے بھی قطع نظر کیجیے جو آنے والی انقلابی قوتوں پر سمجھ بوجھ کر ایمان لائے ہیں اور بالارادہ اسی رخ پر جانا چاہتے ہیں جس پر زمانہ کا طوفانی دریا جا رہا ہے۔ اب صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو مسلمان ہیں، مسلمان رہنا چاہتے ہیں، مسلمان مرنا چاہتے ہیں، اور یہ تمنا رکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلامی تہذیب زندہ رہے، اور ہماری آیندہ نسلیں محمد عربی صلعم

کی بتائی ہوئی راہ راست پر قائم رہیں۔ ان لوگوں کے لیے یہ وقت رواروی سے گذار دینے کا نہیں، بلکہ گہری سوچ اور غایت درجہ کے غور و فکر کا ہے۔ وہ اگر اس نازک وقت میں غفلت اور بے پروائی سے کام لیں گے تو ایک جرم عظیم کا ارتکاب کریں گے اور اس جرم کی سزا صرف آخرت ہی میں نہ ملے گی بلکہ اسی دنیا کی زندگی میں اُن پر چھا جائے گی۔ زمانہ کا بے درد ہاتھ ان کی آنکھوں کے سامنے تہذیب اسلامی کے ایک ایک نشان کو مٹائے گا۔ اور وہ بے بسی کے ساتھ اس کو دیکھا کریں گے۔ زمانہ ان کے قومی وجود کو ملیا میٹ کرے گا، ایک ایک کر کے ان امتیازی حدود کو ڈھائیگا جن سے اسلام غیر اسلام سے متمیز ہوتا ہے، ہر اس خصوصیت کو فنا کر دے گا جس پر مسلمان دنیا میں فخر کرتا رہا ہے، وہ یہ سب کچھ دیکھیں گے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں خود اپنے گھروں میں اپنی نوخیز نسلوں کو خدا پرستی سے دور، اسلامی تہذیب سے بیگانہ اور اسلامی اخلاق سے عاری دیکھیں گی۔ اور آنسو تک نہ بہا سکیں گی۔ ان کی اپنی اولاد اُس فوج کی سپاہی بن کر اٹھے گی جسے اسلام اور اس کی تہذیب کے خلاف صف آرا کیا جائے گا۔ وہ اپنے ان جگر گوشوں کے ہاتھ سے تیر کھائیں گے اور جواب میں کوئی تیر نہ چلا سکیں گے۔ یہ انجام یقینی ہے۔ اگر کام کے وقت کو غفلت میں کھو دیا گیا۔ انقلاب کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ اس کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں، اور اب فکر و عمل کے لیے بہت ہی تھوڑا وقت باقی ہے۔

اسلامی ہند کی تاریخ پر جو لوگ نظر رکھتے ہیں اُن سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس ملک میں اسلامی تہذیب کی بنیاد ابتدا ہی سے کمزور رہی ہے صدر اول میں اور اس سے متصل بعد کی قرنوں میں اسلامی سیلاب کی جو لہریں ہندوستان تک پہنچیں وہ زیادہ تر خس و خاشاک اور کثافتیں لے کر آئیں، اس لیے کہ اس زمانہ میں ہندوستان دارالاسلام کی آخری سرحدوں پر تھا اور وہ سب لوگ جو اسلام کے مرکزی اقتدار یا اصولی عقیدہ و مسلک کے خلاف بغاوت کرتے تھے عموماً بھاگ کر اسی طرف آجاتے تھے۔

چنانچہ سندھ اور کاٹھیاواڑ اور گجرات وغیرہ ساحلی علاقوں میں جو گمراہیاں آج تک پائی جاتی ہیں وہ اُسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ اس کے بعد چھٹی صدی ہجری میں جب اصل دھارے نے ہندوستان کا رخ کیا تو وہ خود بھی کثافتوں سے بہت کچھ آلودہ ہو چکا تھا۔ امراء میں روح جہاد اور علماء میں روح اجتہاد سرد ہو چکی تھی۔ ہمارے حکمران زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کو خراج اور توسیع مملکت کی فکر تھی۔ اور ہمارے مذہبی پیشواؤں میں اکثریت ان حضرات کی تھی جن کی زندگی کا مقصد حکومت کے مناصب حاصل کرنا اور ہر قیمت پر اپنے مذہبی اقتدار کی حفاظت کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ یہاں صحیح معنوں میں کبھی اسلامی حکومت قائم ہوئی، نہ حکومت نے پوری طرح وہ فرائض انجام دیے جو شرعاً اس پر عائد ہوتے تھے، نہ اسلامی علوم کی تعلیم کا کوئی صحیح نظام قائم ہوا، نہ اشاعت اسلام کی کوئی خاص کوشش کی گئی، نہ اسلامی تہذیب کی ترویج اور اس کے حدود کی نگہداشت جیسی ہونی چاہیئے ویسی ہو سکی۔ علماء اور صوفیہ کے ایک مختصر گروہ نے بلاشبہ نہایت زرین خدمات انجام دیں اور انہی کی برکت ہے کہ آج ہندوستان کے مسلمانوں میں کچھ علم دین اور کچھ اتباع شریعت پایا جاتا ہے لیکن ایک قلیل گروہ ایسی حالت میں کیا کر سکتا تھا جب کہ قوم کے عوام جاہل اور ان کے سردار اپنے فرائض سے غافل ہوں۔

اسلام کی عام کشش سے متاثر ہو کر ہندوستان کے کروڑوں آدمی مسلمان ہوئے مگر اسلامی اصول پر ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ملک کی اسلامی آبادی کا سوادِ اعظم ان تمام مشرکانہ اور جاہلانہ رسوم و عقائد میں گرفتار رہا جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ان میں رائج تھے۔ جو مسلمان باہر سے آئے تھے ان کی حالت بھی ہندوستانی نومسلموں سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔ ان پر عجمیت پہلے ہی غالب ہو چکی تھی۔ نفس پرستی اور عیش پسندی کا گہرا رنگ ان پر چڑھ چکا تھا۔ اسلامی تعلیم و تربیت سے وہ خود پوری طرح بہرہ ور نہ تھے۔ زیادہ تر دنیا اُنکی مطلوب تھی۔ خالص دینی جذبہ ان

میں سے بہت کم، بہت ہی کم لوگوں میں تھا، وہ یہاں آکر بہت جلدی عام باشندوں میں گھل مل گئے کچھ ان کو متاثر کیا اور کچھ ان سے متاثر ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں مسلمانوں کا تمدن اسلامیت، عجمیت اور ہندیت کی ایک معجون مرکب بن کر رہ گیا۔

عام طور پر جو طرز تعلیم یہاں رائج ہوا وہ اسی ڈھنگ کا تھا جسے انگریزوں نے بعد میں اختیار کیا۔ اس کا بنیادی مقصد حکومت کی خدمات کے لیے لوگوں کو تیار کرنا تھا۔ قرآن اور حدیث کے علوم جن پر اسلامی تہذیب کی بنیاد قائم ہے۔ یہاں کے نظام تعلیمی میں بہت ہی کم بار پا سکے۔

طرز حکومت بھی قریب قریب اسی ڈھنگ کا رہا جس کی تقلید بعد میں انگریزوں نے کی، بلکہ اپنی قومی تہذیب کی حفاظت اور ترویج اور اس کے حدود کی نگہداشت کا جتنا خیال انگریزوں نے رکھا ہے، اتنا بھی مسلمان حکمرانوں نے نہ رکھا خصوصیت کے ساتھ مغل فرمانرواؤں نے اس باب میں جس سہل انگاری سے کام لیا ہے اس کی مثال تو شائد دنیا کی کسی حکمراں قوم میں نہ مل سکے گی۔

ظاہر ہے کہ جس قوم کی تعلیم اور سیاست دونوں اپنی قومی تہذیب کی حفاظت سے دستکش ہو جائیں اس کو زوال سے کوئی قوت نہیں بچا سکتی۔

گیارہویں صدی ہجری میں انحطاط اپنی آخری حدود پر پہنچ چکا تھا، مگر عالمگیر کی طاقتور شخصیت اس کو روکے ہوئے تھی۔ بارہویں صدی کی ابتدا میں جب قصر اسلامی کا یہ آخری محافظ دنیا سے رخصت ہوا تو وہ تمام کمزوریاں یکایک نمودار ہو گئیں جو اندر ہی اندر صدیوں سے پرورش پا رہی تھیں تعلیم و تربیت کی خرابی اور قومی اخلاق کے اضمحلال اور نظام اجتماعی کے اختلال کا پہلا نتیجہ سیاسی زوال کی صورت میں ظاہر ہوا مسلمانوں کی سیاسی جمعیت کا شیرازہ دفعتہً درہم برہم ہو گیا۔ قومی اور اجتماعی مفاد کا تصور ان کے دماغوں سے نکل گیا۔ انفرادیت اور خود غرضی پوری طرح ان پر مسلط ہو گئی۔ ان

میں ہزار در ہزار خائن اور غدار پیدا ہوئے جن کا ایمان کسی نہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا تھا، اور جو اپنے ذاتی فائدہ کے لیے بڑے سے بڑے قومی مفاد کو بے تکلف بیچ سکتے تھے۔ ان میں لاکھوں بندگانِ شکم پیدا ہوئے جن سے ہر دشمن اسلام تھوڑی سی رشوت یا حقیر سی تنخواہ دے کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کی بدتر سے بدتر خدمت لے سکتا تھا۔ ان کے سوادِ اعظم سے قومی غیرت اور خودداری اس طرح مٹ گئی کہ دلوں میں اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ وہ دشمنوں کی غلامی پر فخر کرنے لگے۔ غیروں کے بخشے ہوئے خطابات اور مناصب میں انکو عزت محسوس ہونے لگی۔ دین اور ملت کے نام پر جب کبھی ان سے اپیل کی گئی وہ پتھروں سے ٹکرا کر واپس آئی اور جب کوئی حامی دین و ملت اقتدارِ قومی کے گرتے ہوئے قصر کو سنبھالنے اٹھا، اس کا سر خود اس کی اپنی قوم کے بہادروں نے کاٹ کر دشمنوں کے سامنے پیش کر دیا۔

اس طرح ڈیڑھ صدی کے اندر اسلام کا سیاسی اقتدار ہندوستان کی سرزمین میں بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا، اور سیاسی اقتدار مٹتے ہی یہ قوم، افلاس، غلامی، جہالت اور بداخلاقی میں مبتلا ہو گئی۔

۱۸۵۷ء کا ہنگامہ دراصل سیاسی انقلاب کی تکمیل اور ایک دوسرے انقلاب کی تمہید تھا۔ جن کمزوریوں نے مسلمانوں سے سیاسی اقتدار چھینا تھا وہ سب علیٰ حالہٖ قائم تھیں۔ اور ان پر مزید کمزوریوں کا اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کے اندر اسلامی تہذیب کی بنیاد پہلے سے کمزور تھی۔ اس کمزوری نے جب حکومت کے منصب سے ان کو ہٹا دیا، اور افلاس و غلامی کی دوہری مصیبت میں وہ گرفتار ہوئے تو دوسری اور کمزوریاں رو بکار آگئیں۔

دین اور اخلاق اور تہذیب اور تمدن یہ سب چیزیں بلند تر انسانیت سے تعلق رکھتی ہیں، اور ان کی قدر و عزت وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جو حیوانیت سے بالاتر ہوں۔ پیٹ اور روٹی اور کپڑا اور آسایشِ بدن اور لذاتِ نفس وہ چیزیں ہیں جو انسان کی حیوانی ضروریات سے تعلق رکھتی ہیں

اور جب انسان مقام حیوانی سے قریب تر ہوتا ہے تو اس کی نگاہ میں یہی چیزیں زیادہ اہم ہوتی ہیں حتیٰ کہ وہ ان کی خاطر بلند تر انسانیت کی ہر متاع گراں مایہ کو نہ صرف قربان کر دیتا ہے بلکہ حیوانی پستی کی آخری حدوں پر پہنچ کر اس میں یہ احساس بھی باقی نہیں رہتا کہ میرے لیے کوئی چیز ان چیزوں سے اعلیٰ اور ارفع بھی ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کا مسلمان جب اپنا سیاسی اقتدار کھو رہا تھا اس زمانہ میں اس کی انسانیت پر حیوانیت غالب آ چکی تھی، مگر انسانیت بالکل فنا نہیں ہوئی تھی، اس لیے وہ پیٹ اور بدن پر انسانیت کی گراں قدر متاعوں کو قربان تو کر رہا تھا، مگر اس کو یہ احساس ضرور تھا کہ یہ متاعیں گراں قدر ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان کی بھی حفاظت کرنی چاہیے۔ لیکن جب وہ سیاسی اقتدار کھو چکا تو افلاس نے پیٹ اور بدن کے سوال کو ہزار گنا زیادہ اہم بنا دیا، اور غلامی نے غیرت اور خودداری کے تمام احساسات کو مٹانا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی انسانیت روز بروز پست ہوتی چلی گئی اور حیوانیت کا اثر بڑھتا اور چڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ابھی ایک صدی بھی پوری نہیں گزری ہے۔ اور حال یہ ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل پہلی نسل سے زیادہ نفس پرست، اور بندۂ شکم اور آسایش بدن کی غلام بن کر اٹھ رہی ہے۔ ستر برس پہلے وہ مغربی تعلیم کی طرف یہ کہہ کر گئے تھے کہ ہم صرف اپنی حیوانی ضروریات پوری کرنے کے لیے ادہر جا رہے ہیں، اپنے دین و اخلاق اور اپنی قومی تہذیب و تمدن کو ہم کھونا نہیں چاہتے۔ اور واقعہ بھی یہ تھا کہ اس وقت تک یہ چیزیں ان کی نگاہ میں کافی اہمیت رکھتی تھیں، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا، وہ بنیادی کمزوریاں جنہوں نے ان کو حکومت کے منصب سے ہٹایا، ان میں پہلے سے موجود تھیں، اور وہ نئی کمزوریاں جو غلامی و افلاس کی حالت میں فطرۃً پیدا ہوتی ہیں، ان کے اندر تیزی سے پیدا ہو رہی تھیں۔ ان دونوں قسم کی کمزوریوں کی بدولت ایک طرف دین و اخلاق کی اہمیت اور قومی تہذیب و تمدن کی قدر و عزت روز بروز ان میں کم ہوتی چلی گئی۔ دوسری طرف خود غرضی اور نفسانیت کے روز افزوں غلبہ نے اُن کو ہر اس شخص کی غلامی پر

آمادہ کر دیا جو ان کو کچھ مال اور جاہ اور اپنے ہم جنسوں میں کچھ سربلندی عطا کر سکتا ہو خواہ ان چیزوں کے بدلہ میں وہ انسانیت کے جس گوہر بیش بہا کو چاہے خرید لے۔ تیسری طرف انفرادیت اور خود پرستی جو ڈہائی سو برس سے ان کی قومیت کو گھن کی طرح لگی ہوئی ہے، انتہائی حد کو پہنچ گئی یہانتک کہ اجتماعی عمل کی کوئی صلاحیت ان میں باقی نہیں رہی، اور وہ تمام صفات ان سے نکل گئیں جس کی بدولت ایک قوم کے افراد اپنے قومی مفاد کی حفاظت اور اپنے قومی وجود کی حمایت کے لیے مجتمع ہو سکتے اور مشترک جد و جہد کر سکتے ہیں۔

یہاں اتنا موقع نہیں کہ اس دوسرے انقلاب کے تمام پہلوؤں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا سکے۔ تاہم مختصراً اس کے چند نمایاں پہلوؤں کی طرف ہم اشارہ کریں گے تاکہ ہندوستان میں اسلام کی موجودہ پوزیشن واضح طور پر سامنے آجائے اور یہ اندازہ کیا جا سکے کہ اب جو تیسرا انقلاب سامنے آرہا ہے، وہ ان حالات میں مسلمانوں پر کس طرح اثر انداز ہوگا۔

جس روز سے برٹش امپیریلزم نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے، اُسی روز سے اس کی یہ مستقل پالیسی رہی ہے کہ مسلمانوں کا زور توڑا جائے۔ اسی غرض کے لیے اسلامی ریاستوں کو مٹایا گیا اور اس نظام عدل و قانون کو بدلا گیا جو صدیوں سے یہاں قائم تھا۔ اسی غرض کے لیے انتظام مملکت کے قریب قریب ہر شعبے میں ایسی تدبیریں اختیار کی گئیں جن کا مآل یہ تھا کہ مسلمانوں کو معاشی حیثیت سے تباہ و برباد کر دیا جائے اور ان پر رزق کے دروازے بند کر دیے جائیں، چنانچہ گذشتہ ڈیڑھ دو سو سال کے اندر اس پالیسی کے جو نتائج ظاہر ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ جو قوم کبھی اس ملک کے خزانوں کی مالک تھی، وہ اب روٹیوں کی محتاج ہو چکی ہے اس کو معیشت کے ذرائع سے ایک ایک کر کے محروم کر دیا گیا ہے، اور اب اس کی ۹۰ فیصدی آبادی غیر مسلم سرمایہ دار کی معاشی غلامی میں مبتلا ہے۔ ساہوکار سے برٹش امپیریلزم کا مستقل اتحاد ہے اور برطانوی نظام

عدالت اس کے لیے وہی خدمت انجام دے رہا ہے جو سود خوار پٹھان کے لیے اس کا ڈنڈا انجام دیتا ہے۔

سیاسی اقتدار سے محروم ہونے کے بعد مسلمانوں میں جاہ اور عزت کی بھوک پیدا ہوئی اور معاشی وسائل سے محروم ہونے کے بعد روٹی کی بھوک۔ ان دونوں چیزوں کے حصول کا دروازہ صرف ایک ہی رکھا گیا اور وہ مغربی تعلیم کا دروازہ تھا۔ روٹی اور عزت کے بھوکے لاکھوں کی تعداد میں ادھر لپکے۔ وہاں ہاتف غیب نے پکار کر کہا کہ آج روٹی اور عزت مسلمان کے لیے نہیں ہے۔ یہ چیزیں اگر چاہتے ہو تو نامسلمان بن کر آؤ۔ اپنے دل کو، اپنے دماغ کو، اپنے دین اور اخلاق کو، اپنی تہذیب اور آداب کو، اپنے اصول حیات اور طرز معاشرت کو، اپنی غیرت اور خودداری کو قربان کرو، تب روٹی کے چند ٹکڑے اور عزت کے چند کھلونے تم کو دیے جائیں گے۔ انہوں نے خیال کیا کہ بہت ہی سستے داموں بہت ہی قیمتی چیز مل رہی ہے۔ بیچو اس پرانے کباڑ خانے کو۔ یہ چیزیں جو روٹی اور خطاب و منصب جیسی بیش بہا چیزوں کے معاوضے میں مانگی جا رہی ہیں، آخر ہیں کس کام کی۔ انہیں تو رہن رکھ کر بنیے سے چار پیسے بھی نہیں مل سکتے۔

مسلمان جب مغربی تعلیم کی طرف گئے تو یہی کچھ سمجھ کر گئے۔ زبانوں نے گو ایسا نہیں کہا۔ مگر جذبات اور تخیلات تو ایسے ہی کچھ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کم وبیش ۹۰ فی صدی لوگوں پر اس تعلیم کے وہی اثرات ہوئے جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں۔ اسلامی تعلیم میں وہ قطعی کورے ہیں۔ ان میں بیشتر ایسے ہیں جو قرآن کو ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ اسلامی لٹریچر کی کوئی چیز ان کی نظروں سے نہیں گذرتی۔ وہ کچھ نہیں جانتے کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کس کو کہتے ہیں اور اسلام اور غیر اسلام میں کیا چیز مابہ الامتیاز ہے۔ خواہشات نفس کو انہوں نے اپنا معبود بنا لیا ہے۔ اور یہ معبود انہیں اس مغربی تہذیب کی طرف لیے جا رہا ہے جس نے نفس کی ہر خواہش اور لذت نفس کی ہر طلب کو پورا کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ وہ مسلمان ہونے پر نہیں بلکہ ماڈرن ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ وہ اہل فرنگ کی ایک ایک ادا پر جان نثار کرتے ہیں۔ لباس میں معاشرت میں، کھانے اور پینے میں

میل جول اور بات چیت میں حتیٰ کہ اپنے ناموں تک میں وہ ان کا ہو بہو چربہ بن جانا چاہتے ہیں۔ انھیں ہر اس طریقہ سے نفرت ہے جس کا حکم مذہب نے ان کو دیا ہے، اور ہر اس کام سے رغبت ہے جس کی طرف مغربی تہذیب انھیں بلاتی ہے۔ نماز پڑھنا ان کے ہاں معیوب ہے۔ اتنا معیوب کہ جو شخص نماز پڑھتا ہے اسے ان کی سوسائٹی میں بنایا جاتا ہے اور اگر بنانے کی جرأت نہیں ہوتی تو کم از کم حقارت آمیز حیرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ آخر یہ کونسی مخلوق ہے جو اب تک خدا کا نام لیے جا رہی ہے۔ بخلاف اس کے سنیما جانا ان کے نزدیک نہ صرف مستحسن بلکہ ایک مہذب انسان کے لوازم حیات میں سے ہے اور جو شخص اس سے اجتناب کرتا ہے اس پر حیرت کی جاتی ہے کہ یہ کس قسم کا تاریک خیال ملا ہے جو بیسویں صدی کی اس برکت عظمیٰ سے محروم رہنا چاہتا ہے۔ ان میں اب وہ طبقہ سرعت سے بڑھ رہا ہے جو مذہب اور خدا سے اپنی بیزاری کو چھپانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا، اور صاف کہنے لگا ہے کہ ہمیں اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ چیز اب تک ہمارے مردوں میں تھی، مگر اب عورتوں میں بھی پہنچ رہی ہے۔ جو طبقے ہماری سوسائٹی کے پیش رو اور مقتدا ہیں وہ اپنی عورتوں کو کھینچ کر باہر لا رہے ہیں۔ ان کو بھی اسلام اور اس کی تہذیب سے بیگانہ اور مغربی تہذیب اور اس کے طور طریقوں اور اس کے تخیلات سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ عورت میں انفعال اور تاثر کا مادہ فطری طور پر مردوں سے زیادہ ہے۔ جو راستہ مردوں نے ستر برس میں طے کیا ہے، عورتیں اسکو ان سے بہت جلدی طے کر لیں گی اور ان کی گودوں میں جو نسلیں پرورش پا کر اٹھیں گی ان میں شاید اسلام کا نام بھی باقی نہ رہیگا

خود غرضی انفرادیت اور نفس پرستی کے غلبہ کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے قومیت کا احساس مٹتا جا رہا ہے

اور ان کی اجتماعی طاقت فنا ہو رہی ہے پندرہ سال سے اُن کے اندر سخت انتشار برپا ہے۔ ان کی کوئی قومی پالیسی نہیں، کوئی اجتماعی ہیئت نہیں۔ کوئی ایک شخص نہیں جو ان کا لیڈر ہو۔ کوئی ایک جماعت نہیں جو ان کی نمائندہ ہو کسی بڑی سے بڑی قومی مصیبت پر بھی وہ جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک بن سری فوج ہے جو راس کماری سے پشاور تک پھیلی ہوئی ہے ایک ریوڑ ہے جس میں کوئی نظم نہیں۔ ایک بھیڑ ہے جس میں کوئی رابطہ نہیں۔ ہر فرد آپ ہی اپنا لیڈر اور اپنا

انجمنیں اور جمعیتیں ہزاروں ہیں، مگر حال یہ ہے کہ ایک ہی انجمن کے ارکان باہم برسرپیکار ہو جاتے ہیں اور علانیہ ایک دوسرے کے مقابلے پر آتے ہیں۔ اول اول ان کو اپنی اُس طاقت کا گھمنڈ تھا جو کبھی ان میں پائی جاتی تھی، مگر منظم قوموں نے دس سال کے اندر ان کو بتا دیا کہ طاقت کس چیز کا نام ہے۔ یہ آپس میں لڑتے رہے اور وہ منظم ہو گئیں۔ انہوں نے خود اپنے سرداروں میں سے ایک ایک کو کھینچ کر زمین پر گرا دیا، اور اُنہوں نے ایک سردار کی اطاعت کرکے اسے تمام ملک میں بے تاج کا بادشاہ بنا دیا۔ یہ اپنی قوتوں کو خود اپنی تخریب میں ضائع کرتے رہے اور وہ حکومت سے پیہم مقابلے کرکے اپنا زور بڑھاتے رہے۔ اِنہوں نے ملک کے تازہ انتخابات میں شخصی اغراض کو سامنے رکھا اور بیسیوں پارٹیاں بن کر اسمبلیوں میں پہنچے۔ اُنہوں نے اجتماعی اغراض کو مقدم رکھ کر تمام ملک میں منضبط جد و جہد کی اور ایک مستحکم جمعیت کی شکل میں حکومت کے ایوانوں پر قبضہ کر لیا۔ ان نتائج کو دیکھ کر ہندوستان کے مسلمانوں پر اب وہی اثر ہو رہا ہے جو ایک باقاعدہ فوج کو دیکھ کر منتشر انبوہ پر ہوا کرتا ہے۔ ایک منظم جماعت کی کامیابیوں سے وہ مرعوب ہو گئے ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت کا اقتدار اب بہت جلدی انگریز کے ہاتھ سے منتقل ہو کر اسی جماعت کے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ لہٰذا اب وہ سمت قبلہ بدلنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کے سجدوں کا رخ وائسریگل لاج سے ہٹ کر آنند بھون کی طرف پھرنے لگا ہے اور آج نہیں تو کل پھر کر رہے گا۔

یہ ہے مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن۔ اب دیکھیے کہ جو انقلاب آ رہا ہے وہ کس نوعیت کا ہے۔

اب تک ہندوستان کی حکومت ایک ایسی قوم کے ہاتھ میں رہی ہے۔ جو اس ملک کی آبادی میں آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے اثرات تو وہ تھے جو اوپر آپ نے دیکھ لیے۔ اب جو جماعت برسرِ اقتدار آ رہی ہے وہ ملک کی آبادی کا سوادِ اعظم ہے۔ گذشتہ ڈھائی سو برس میں مسلمانوں نے جو زنانہ خصوصیات اپنے اندر پیدا کی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیجیے کہ اس قوم کو جدید ہندی قومیت میں جذب ہوتے کتنی دیر لگے گی۔

جدید ہندی قومیت کا لیڈر وہ شخص ہے جو مذہب کا علانیہ مخالف ہے ہر اس قومیت کا دشمن ہے جس کی بنا کسی مذہب پر ہو۔ اس نے اپنی دہریت کو کبھی نہیں چھپایا، یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ وہ کمیونزم پر ایمان رکھتا ہے

اس امر کا بھی وہ خود اعتراف کرچکا ہے کہ میں دل اور دماغ کے اعتبار سے مکمل فرنگی ہوں۔ یہ شخص ہندوستان کی نوجوان نسل کا رہنما ہے اور اس کے اثر سے وہ جماعت نہ صرف غیر مسلم قوموں میں بلکہ خود مسلمانوں کی نوخیز نسلوں میں بھی روز افزوں تعداد میں پیدا ہو رہی ہے جو سیاسی حیثیت سے ہندوستانی وطن پرست، اور اعتقادی حیثیت سے کمیونسٹ اور کلچرل حیثیت سے مکمل فرنگی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس ڈھنگ پر جو قومیت تیار ہو رہی ہے اس سے مغلوب اور متاثر ہوکر ہندوستان کے مسلمان کتنی مدت تک اپنی قومی تہذیب کے باقی ماندہ آثار کو زندہ رکھ سکیں گے؟

مسلمانوں کے انتشار اور بدنظمی کو دیکھ کر اب ان کے مستقل قومی وجود کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کیا جا رہا ہے۔ جن لوگوں کی عمریں عوام کی رہنمائی اور اقوام کی نبض شناسی میں گذری ہیں ان سے یہ راز چھپا نہیں رہ سکتا کہ اس قوم کا شیرازۂ قومیت بڑی حد تک بکھر چکا ہے، وہ خصوصیات اس سے فنا ہو رہی ہیں جو کسی جماعت کو ایک قوم بناتی ہیں۔ اب اس کے افراد کسی دوسری قومیت میں جذب ہونے کے لیے کافی حد تک مستعد ہو چکے ہیں۔ یہی چیز ہے جس کی بنا پر اب یہ اسکیم بنائی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کی جماعتوں کو خطاب کرنے کے بجائے ان کے افراد کو خطاب کیا جائے اور ان کو جدا جدا اکائیوں کی شکل میں رفتہ رفتہ اپنی طرف کھینچا جائے۔ یہ کس چیز کی تمہید ہے؟ جس شخص کو اللہ نے تھوڑی سی بصیرت بھی عطا کی ہے وہ اس کو سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ مسلمان انگریزی اقتدار کے زمانہ میں جس کیرکٹر کا اظہار کرتے رہے ہیں اس کو سامنے رکھ کر غور کیجیے۔ کیا اسمبلیوں کی نشستیں اور آیندہ معاشی اور سیاسی فائدوں کا لالچ ان کے افراد کو فوج در فوج اس طرف کھینچ کر نہ لے جائیگا جس طرف انھیں کھینچا جا رہا ہے؟ اور کیا یہ وہی سب کچھ نہ کریں گے جو انگریزی اقتدار کی غلامی میں کر چکے ہیں؟

مسلمانوں کی اصلی کمزوری کو تاڑ لیا گیا ہے۔ آپ نے سنا کہ انھیں کھینچنے کے لیے جو صدا بلند کی جا رہی ہے وہ کونسی صدا ہے؟ وہی پیٹ اور روٹی کی ذلیل صدا جو ہمیشہ خود غرض اور شکم پرست حیوانات کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تہذیب کیا بلا ہے؟ اور تمہاری تہذیب کی خصوصیت بجز پاجامے اور ڈاڑھی کے اور ہے ہی کیا؟ ہیں آخر کونسی اہمیت ہے؟ اصلی سوال تو پیٹ کا سوال ہے! اسی سوال کو حل کرنے کے لیے ہم اٹھے ہیں! اب اگر دہریت اور

کمیونزم کا زہر بھی تھوڑا تھوڑا ہر نوالے کے ساتھ پیٹ میں اتر جائے تو اس سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ جو قوم اس سے پہلے انہی نوالوں کے ساتھ الحاد اور فرنگیت کا زہر بھی اتار چکی ہے اس کے حلق میں ویسی ہی چند چٹکیاں کیوں پھنسنے لگیں۔

اس نوعیت کا ہے وہ انقلاب جو اب آ رہا ہے۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ اس انقلاب کے دامن سے وابستہ ہیں ان کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی صورتیں، ان کے لباس، ان کی بات چیت، ان کی چال ڈھال، ان کے آداب و اطوار، ان کے خیالات سب کچھ ہمارے سامنے اُس مسلمان کا نمونہ پیش کر رہے ہیں جو اس آنے والے انقلاب میں پیدا ہوگا۔ ہم ابھی سے دیکھ رہے ہیں کہ اس دور میں مسٹروں کے بجائے مہاشے اور مسوں کے بجائے شریمتیاں ہمارے ہاں پیدا ہوں گی۔ گڈمارننگ کی جگہ نمستے لے گا، ہیٹ کی جگہ گاندھی کیپ ہوگی، پیشانیوں پر قشقے اور بندیاں نظر آئیں گی۔ دماغ اور دل اور جسم سب اپنا رنگ بدلیں گے، اور کونوا قردۃ خاسئین کی لعنت جو ان پر ستر سال پہلے نازل ہوئی تھی، ایک دوسری شکل میں ظاہر ہو کر رہے گی۔

دنیا میں انقلاب کی رفتار بہت تیز ہے اور روز بروز تیز ہوتی چلی جا رہی ہے، پہلے جو تغیرات صدیوں میں ہوتے تھے۔ اب وہ برسوں میں ہو رہے ہیں۔ پہلے انقلاب بیل گاڑیوں اور ٹٹوؤں پر سفر کیا کرتا تھا، اب ریل اور تار اور اخبار اور ریڈیو پر حرکت کر رہا ہے۔ آج وہ حالت ہے کہ

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اگر ہندوستان کے باہر کوئی اچانک واقعہ نہ بھی پیش آیا تب بھی اس متوقع انقلاب کے رونما ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگے گی۔ اور اگر کوئی عالمگیر جنگ چھڑ گئی جو قضائے مبرم کی طرح دنیا کے سر پر لٹک رہی ہے تو غالباً فیصلہ کا [illegible] زیادہ قریب آجائے گا۔